اکائی: 2 علم بلاغت-آغاز وارتقاء

اکائی کے اجزاء

2.1 مقصد

2.2 تمہید

2.3 علم بلاغت کا آغاز

2.4 علم بلاغت کا ارتقاء

2.5 خلاصہ

2.6 نمونے کے امتحانی سوالات

2.7 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

2.8 مشکل الفاظ کی فرہنگ

2.1 مقصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ ہم علم بلاغت کے آغاز وارتقاء کے متعلق معلومات حاصل کریں۔ ہمیں معلوم ہو کہ اس علم کا آغاز کب ہوا؟ کس طرح ہوا؟ کیوں ہوا؟ کس کے ذریعے ہوا؟ اور یہ علم کس طرح منزل بہ منزل آگے بڑھا؟ جب ہمیں یہ معلومات حاصل ہوگی، تبھی ہم اس علم کی گہری معلومات حاصل کرسکیں گے۔

2.2 تمہید

کسی بھی انسان، علاقے یا علم کے متعلق گہری معلومات حاصل کرنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ ہمیں اس کی تاریخ بھی معلوم ہو۔ تاریخ کی معلومات کے بغیر ہم کسی بھی چیز سے مکمل باخبری یا کسی بھی فن پر عبور کا دعویٰ نہیں کرسکتے۔ کیوں کہ جب ہم کسی چیز کے آغاز، نشوونما اور ارتقاء کے متعلق معلومات حاصل کرتے ہیں تو ہماری نظروں میں اس چیز کا پورا خاکہ آجاتا ہے۔ اس سے ہمیں اس علم کی ضرورت، اہمیت اور اس کے اہم موڑ معلوم ہوتے ہیں۔ یہ معلومات اگرچہ اُس علم کی تاریخ ہوتی ہے اور اُس علم کے اصول وضوابط سے اس کا بلاواسطہ (Direct) تعلق نہیں ہوتا، لیکن اُس علم پر عبور حاصل کرنے میں یہ تاریخ بہت بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم کسی بھی علم کو پڑھتے وقت اس کی تاریخ بھی ضرور پڑھیں۔

بلاغت پر مشتمل اس بلاک کی یہ دوسری اکائی علم بلاغت کے آغاز وارتقاء کی معلومات کا احاطہ کرتی ہے۔ اس سے ہمیں بلاغت کے اصول و ضوابط تو معلوم نہیں ہوں گے، لیکن بلاغت کی تاریخ کا علم ہوگا، جس کے ذریعے ہم اس علم کی ضرورت واہمیت سے بھی واقف ہوں گے اور اس علم کے اتار چڑھاؤ اور آغاز وارتقاء سے بھی آگاہی حاصل کریں گے۔

2.3 علم بلاغت کا آغاز

علم بلاغت کے سلسلے میں یہ بات پورے وثوق کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی ہے کہ اس کا آغاز کب ہوا؟ اس کے آغاز کے سلسلے میں مختلف ماہرین کی مختلف آراء ہیں۔ کسی نے زمانۂ جاہلیت کے ادباء وشعراء کو اس علم کا موجد بتایا ہے تو کسی نے اسے عہدِ اسلامی کی پیداوار بتایا ہے۔ بعض نے اس علم کو یونانی فلاسفہ سے جوڑا ہے تو بعض نے اس کے بنیاگزاروں کو عہدِ عباسی میں تلاش کیا ہے۔

2.3.1 انسان اور بلاغت

اس سلسلے میں جو بات دل کو لگتی ہے، وہ یہ ہے کہ انسان نے ہر دور میں اپنی بات کو زیادہ مؤثر اور زیادہ مناسبِ حال انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہر زمانے میں انسان نے اپنے دل کی باتوں کو دوسروں تک پہنچانا چاہا اور اس کے لیے اُس نے اس بات کی کوشش کی کہ سامنے والے اُس کی بات کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔ اس کے لیے اُسے کچھ اچھی چیزوں کو اختیار کرنا پڑا اور کچھ خراب چیزوں کو چھوڑنا پڑا۔ مثال کے طور پر جنگ کے حالات میں دنیا کے کسی بھی کمانڈر نے پیار محبت کی داستان نہیں سنائی ہوگی۔ ایسے موقعے پر جوش وولولے اور عزم وحوصلے سے بھری ہوئی کہانیاں اور واقعات سنائے جاتے ہیں، تاکہ سننے والے بھی دادِ شجاعت دینے کے لیے تیار ہوسکیں۔ اِسی طرح کسی کی موت کے موقع پر کی جانے والی گفتگو میں کبھی بھی ہنسنے ہنسانے کی باتیں نہیں کی گئیں۔ اس مناسبت سے صرف غم واندوہ اور پُر سے ودلاسے کے کلمات کہے جاتے ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان کو اس بات کا شعور کس طرح پیدا ہوا کہ ہمیشہ حسبِ موقع بات کرنی چاہیے؟ اُسے یہ کس طرح معلوم ہوا کہ بات کو فلاں انداز میں کہا جائے تو اُس کا اثر ہوگا اور فلاں انداز میں کہنا بے اثر ہوگا؟ ظاہر سی بات ہے کہ انسان معاشرے میں رہتے رہتے اور اپنی عقل کو استعمال کرتے کرتے سمجھ جاتا ہے کہ کب، کہاں، کس طرح بات کہنی ہے۔ ہر دور میں بڑے اپنے چھوٹوں کو اس طرح کی باتیں بتاتے رہے کہ تمھیں فلاں بات اِس انداز سے کہنا چاہیے تھی۔ فلاں بات اِس طرح نہ کہنی چاہیے تھی۔ یعنی جب سے انسان نے ملنا جلنا، بولنا چالنا اور سننا سنانا سیکھا، اُسی وقت سے اُس نے بلاغت کے اصول وضوابط کو بھی اختیار کرنا سیکھا۔ اگرچہ ہزاروں سال تک اُس کے پاس یہ اصول وضوابط تحریری شکل میں منضبط طور پر جمع نہیں ہو سکے، لیکن بلاغت کا شعور اُس کے اندر ہمیشہ سے رہا۔

مثال کے طور پر 570 ق م میں گوتم بدھ نے پہلی مرتبہ شرناتھ میں اپنے چار پانچ دوستوں کے سامنے اپنی جو تعلیمات بیان کیں، وہ آج تک بدھ مذہب کی بنیاد سمجھی جاتی ہیں۔ 399 ق م میں سقراط نے زہر کا پیالہ پینے سے پہلے اپنے چند رفقاء و تلامذہ کو جو سکھایا تھا، اُسے آج بھی مغربی فلسفے کا تاریخ میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ 331 ق م میں سکندر نے گوگا میلا کے میدان میں اپنی فوج کو خطاب کرتے ہوئے جو جملے کہے تھے، وہ آج بھی دنیا کو عزم و ہمت کا درس دیتے ہیں۔ یہ تینوں واقعات عیسوی کلینڈر کے آغاز سے بھی پہلے کے ہیں۔ تینوں واقعات مختلف مزاج کے حامل افراد سے تعلق رکھتے ہیں۔ پہلے کا تعلق مذہب و روحانیت سے ہے، دوسرے کا تعلق علم و فلسفے سے ہے اور تیسرے کا تعلق میدانِ جنگ اور سیاست سے ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف مواقع سے پیش کیے گئے یہ خطبات اثر انگیزی کے لحاظ سے پوری طرح کام یاب رہے۔ تینوں واقعات اُس دور کے ہیں، جب علم بلاغت کے نام سے دنیا میں ایک صفحہ بھی نہیں لکھا گیا تھا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ بلاغت اور انسان کا تعلق نہایت قدیم ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اُسے علم بلاغت کو مرتب کرنے کی توفیق صدیوں بعد ہوئی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جب سے بات چیت ہو رہی ہے اور جب سے کہا سنا جا رہا ہے، اُس وقت سے بلاغت موجود ہے۔ انسان نے ہمیشہ بلاغت کو اختیار کرنے کی کوشش کی اور اسے آئندہ نسلوں تک پہنچانے کی بھی کوشش کی۔ لیکن علمِ بلاغت دنیا کے آغاز کے ہزار ہا ہزار سال بعد وجود میں آیا۔ یہ صرف علم بلاغت کی خاصیت نہیں ہے، بلکہ بہت سے علوم کا یہی معاملہ ہے کہ انسان نے اُسے ابتداء سے اختیار تو کیا، لیکن ایک علم کی حیثیت سے منضبط بہت بعد میں کیا۔ مثلاً فنِ تعمیر، فنِ زراعت اور فنِ حرب وغیرہ۔

2.3.2 زمانۂ جاہلیت

عرب اور عربی زبان کی بات کی جائے تو یہاں بھی بلاغت کا تصور نہایت قدیم نظر آتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ زبان و بیان کے سلسلے میں عرب ہمیشہ سے حساس رہے ہیں۔ شعر و شاعری اور خطابت و داستان گوئی ہمیشہ اُن کی توجہات کا اہم مرکز رہیں۔ ان چیزوں میں فصاحت اور بلاغت کو بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے انھیں بلاغت کے رائج اصول وضوابط کو بھی ہمیشہ اختیار کرنا پڑا۔ یہ اصول وضوابط انھوں نے صرف اختیار نہیں کیے، بلکہ ان پر گفت و شنید اور ان کی تنقید و تنقیح کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ تاکہ کلام کو زیادہ بہتر اور مؤثر بنایا جا سکے۔

سوق عکاظ کے نام سے کون ناواقف ہے؟ یہ بازار زمانۂ جاہلیت کے مشہور بازاروں میں سے تھا۔ ہر سال یکم ذی قعدہ سے 20/ذی قعدہ تک پورے بیس دن عرب قبائل اس کھلے بازار میں جمع ہوتے تھے۔ یہ بازار خرید و فروخت سے کہیں زیادہ عرب تہذیب و ثقافت اور عربی زبان و ادب کے ارتقاء کا ذریعہ تھا۔ اس میں مسلسل بیس دن تک شعری و تقریری مقابلے ہوتے تھے۔ مختلف قبائل اپنے اپنے شعراء و خطباء کو پیش کرتے۔ وہ شعراء و خطباء اپنے فن کا مظاہرہ کرتے۔ اُن کی تخلیقات پر کھلی تنقید ہوتی اور اچھے برے کا فیصلہ کیا جاتا۔ بڑے شعراء اور اہل فن کا غیر معمولی استقبال ہوتا اور سب اُن کے فن سے مستفید ہوتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے:

إن القبة الحمراء التي لكانت تضرب للنابغة الذبياني بسوق عكاظ في العصر الجاهلي، ليجلس تحتها، ويأتي إليه الشعراء، ويعرض عليه لكل منهم شعره ليميز هو بين حسن الشعر ورديئه، ويختار أفضله ، لتدل دلالة واضحة على أن هناك مقاييس معينة لكان يختار وفقها أفضل الشعر، وهذا دليل على أن العرب في الجاهلية قد عرفوا البلاغة، ولكن البلاغة الفطرية البسيطة البعيدة عن التقعيد والتعقيد۔

(البلاغة العالية، عبدالمتعال الصعيدي، ص35)

زمانۂ جاہلیت میں سوقِ عکاظ میں نابغہ زبیانی کے لیے سرخ خیمہ لگایا جاتا تھا، تاکہ وہ اس میں بیٹھے اور شعراء اس کے خدمت میں حاضری دیں۔ وہ شعراء اُس کو اپنے اپنے اشعار سناتے تھے، تاکہ وہ اشعار کے حسن وقبح کو واضح کرے اور زیادہ اچھے اشعار کو منتخب کرے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اُس دور میں بھی اشعار میں اچھے برے کا فیصلہ کرنے کے متعین پیمانے موجود تھے۔ یہ اِس بات کی دلیل ہے کہ عرب زمانۂ جاہلیت میں بھی بلاغت سے واقف تھے، لیکن اُس وقت کی بلاغت بہت فطری اور سادہ انداز کی تھی۔ اصول وضوابط اور الجھاؤ سے آزاد تھی۔

عربی شاعری کا بہترین نمونہ یا Master Peace معلقات کو کہا جاتا ہے۔ معلقات کی تاریخ بتاتی ہے کہ ان کا انتخاب بیٹھے بٹھائے نہیں ہوگیا تھا۔ بلکہ بے شمار قصائد میں سے ان چند قصائد کو منتخب کر کے بیت اللہ پر آویزاں کیا گیا تھا۔ شاعری کے عظیم ذخیرے سے چند کو منتخب کرنا اور انھیں سب سے مقدس جگہ آویزاں کرنا، اس بات کی دلیل ہے کہ ادبی لحاظ سے اچھے برے اور کھرے کھوٹے کا شعور عربوں میں زمانۂ جاہلیت میں بھی پوری طرح موجود تھا۔ مزید یہ کہ وہ اپنے اس شعور پر فخر بھی کرتے تھے اور دوسروں تک پہنچانا بھی چاہتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے معلقات کو کعبہ پر آویزاں کر رکھا تھا۔

2.3.3 عہدِ نبوت اور خلافتِ راشدہ

چھٹی صدی عیسوی میں اسلام کی آمد کے بعد بلاغت کے رائج فنی اصول وضوابط کو باقی رکھا گیا اور فکری قواعد میں کچھ تبدیل کی گئی۔ یعنی کلام کو حسین سے حسین تر اور مؤثر سے مؤثر ترین بنانے کی تو حوصلہ افزائی کی گئی، لیکن فکری لحاظ سے بے راہ روی اور بے ضابطگی کو ختم کیا گیا۔ سننے والے کے دل ودماغ میں بات کو مؤثر انداز میں پیوست کرنے کے لیے زمانی و بیان کے جو اصول رائج تھے، انھیں باقی بھی رکھا گیا اور انھیں اختیار کرنے کی حوصلہ افزائی بھی کی گئی۔ البتہ بلاغت برائے تفاخر، فن برائے فن یا فن برائے تذلیل انسان کا سلسلہ بند کر دیا گیا۔ مقصدیت اور تعمیر کو اختیار کرنے کی دعوت دی گئی۔ بلاغت برائے انسان اور فن برائے زندگی کا تصور پیش کیا گیا۔ اصولِ بلاغت کی حوصلہ افزائی کا ہی نتیجہ تھا کہ آگے چل کر مسلم ادباء نے ہی علم بلاغت کی طرح ڈالی اور اُسے ترقی کی اُس چوٹی تک لے گئے، جہاں تک یہ علم کبھی نہ پہنچ سکا تھا۔

اہلِ اسلام کے ذریعے بلاغت کے اصول وضوابط کو اختیار کرنے اور بلاغت کی تائید ونصرت کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اُن کا سب سے اہم اور مرکزی محور قرآن کریم علم بلاغت کا اعلیٰ ترین نمونہ تھا۔ ایسا نمونہ، جس کو سن کر عرب شعراء وادباء سر دھنتے اور عش عش کرتے رہ جاتے۔ خود قرآن کریم میں مختلف انداز سے بلیغ ومؤثر گفتگو کی تعریف کی گئی۔ ایک جگہ فرمایا گیا:

الرَّحْمَنُ○عَلَّمَ الْقُرْآنَ○خَلَقَ الْإِنسَانَ○عَلَّمَهُ الْبَيَانَ○ (الرحمٰن:1-4)

رحمٰن، جس نے قرآن سکھایا۔ انسان کو پیدا کیا۔ اُسے اچھی طرح بات کرنا سکھایا۔

ایک طرف اہلِ اسلام نے اس طرح کی آیات سے حسنِ بیان کی ترغیب وتاکید کا درس لیا تو دوسری طرف بلاغت کو اختیار کر کے دنیا کے سامنے قرآن کریم کو بلاغت کے بہترین نمونے کے طور پر پیش کرنے کا بھی عزم کیا۔ قرآن کریم کے ساتھ پیغمبرِ اسلام ﷺ نے بھی مسلسل حسنِ کلام کی حوصلہ افزائی کی۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا:

"إن من البيان لسحراً۔" (بخاری، 5767)

بہت سا کلام تو سحر آفریں ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ شاعری کے بارے میں فرمایا:

"إن من الشعر لحكمة۔" (ابن ماجہ، 3755)

بہت سے اشعار حکمت سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔

ایک طرف اس طرح کے ارشادات کے ذریعے مؤثر کلام تخلیق کرنے کی ترغیب دی گئی تو دوسری طرف جوامع الکلم کے ذریعے فصاحت و بلاغت پر مشتمل بہترین انسانی کلام کے لازوال نمونے پیش کیے گئے۔

یہ صورت حال صرف عہدِ نبوت میں باقی نہیں رہی، بلکہ عہدِ نبوت کے بعد خلافت راشدہ میں بھی ہو بہو یہی انداز اختیار کیا گیا۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرح چاروں خلفائے راشدین نے بھی ہمیشہ اچھے شعراء وادباء کی حوصلہ افزائی کی، انھیں مناسب اعزازات سے نوازا اور اُن کی صلاحیتوں کو صحیح فکری نہج پر باقی رکھنے کی تاکید کی۔ صرف اسی پر بس نہیں، بلکہ زمانۂ نبوت وخلافت راشدہ میں شعروادب کی محفلیں بھی منعقد ہوتی رہیں اور ان مجلسوں میں کلام کے حسن وقبح پر گفتگو بھی کی جاتی رہی۔ میرِ مجلس خواہ حضرت محمد ﷺ ہوں یا خلفائے راشدین میں سے کوئی ہو، انھوں نے کلام سن کر اس پر تنقید بھی کی، اس کی خوبیوں خامیوں کو اجاگر بھی کیا اور موقع ہوا تو کلام پیش کرنے والے کو مناسبِ حال انعام واکرام سے بھی نوازا۔ حدیث وسیرت کی کتابوں اور اسلامی تاریخ میں اس طرح کے بیسیوں واقعات ملتے ہیں۔ کسی بھی معتبر کتاب میں انھیں دیکھا جاسکتا ہے۔ خلفائے راشدین میں سے خاص طور پر حضرت علی مرتضیٰؓ تو خود شاعر بھی تھے۔ اُن کا مجموعۂ کلام دیوان علی کے نام سے معروف ہے۔

2.3.4 اموی دورِ حکومت

خلافتِ راشدہ کے بعد اموی دورِ حکومت کا آغاز ہوا۔ یہ حکومت اپنے پیش رو ادوار کے برخلاف بادشاہت کا انداز لیے ہوئے تھی۔ اس لیے اس میں امراء کے دربار بھی سجتے تھے۔ درباروں میں اہلِ علم وفن بھی کثرت سے حاضر ہوتے تھے اور اپنے فن کا مظاہرہ کرتے تھے۔ انھیں سرکاری خزانے سے انعامات بھی دیے جاتے تھے۔ کلام کے حسن وقبح پر لمبی لمبی بحثیں بھی ہوتی تھیں۔ اس لیے اس دور میں اہلِ ادب کو بھی اپنے جوہر دکھانے کا خاص موقع ملا۔ اگرچہ اپنی پیش رو حکومتوں کی طرح اِس دورِ حکومت میں بھی بلاغت کو ایک مستقل ومنضبط علم کی حیثیت اختیار کرنے کا موقع نہیں ملا، البتہ اِس دورِ حکومت میں اصولِ بلاغت کو پہلے سے زیادہ پنپنے اور اہلِ بلاغت کو پہلے سے زیادہ متعارف ہونے کا موقع ملا۔

اموی دورِ حکومت کا آغاز حضرت امیر معاویہؓ سے ہوا اور مروان ثانی پر یہ حکومت ختم ہوگئی۔ 91 ربرس کے دورِ حکومت میں کل 14 رحکمراں ہوئے، جن میں سے چند ہی کو اطمینان کے ساتھ لمبے دور تک حکومت کرنے کا موقع ملا۔ اس لیے اس دور میں بھی بلاغت کے فن کی خاطر خواہ ترقی نہ ہوسکی۔ البتہ کئی حکمراں خود بھی صاحبِ علم وفن رہے اور دوسرے اہلِ فن کی قدردانی کرتے رہے۔ اس لیے یہ دور بھی بلاغت کے لیے زرخیز اور مفید ثابت ہوا۔ لوگ حسنِ کلام کی طرف متوجہ رہے، اس میدان میں آگے بڑھنے کی کوشش کرتے رہے، بلاغت کے رائج اصولوں کی ترویج واشاعت کرتے رہے اور ان اصول وضوابط کو ملحوظ رکھتے ہوئے اچھے علمی وادبی نمونے تخلیق کرتے رہے۔

2.3.5 عباسی دورِحکومت

دوسرے بہت سے علوم کی طرح علم بلاغت کے لیے بھی عباسی دورِحکومت سب سے زرخیز اور ثمر آور ثابت ہوا۔ عباسی دور کا آغاز 750 عیسوی میں ہوا۔ یہ سلطنت 1517 عیسوی تک قائم رہی۔ تقریباً آٹھ صدیوں تک دنیا کے بہت بڑے حصے پر چھائے رہنے کے بعد یہ دورِحکومت ختم ہوگیا۔ عباسی دورِحکومت میں مختلف اتار چڑھاؤ آئے۔ موسمِ بہار بھی آیا اور موسمِ خزاں بھی۔ بعض حکمرانوں نے بے مثال حکومت کی اور بعض انتہائی ناکام ثابت ہوئے۔ سیاسی لحاظ سے مسلسل پیش آنے والے سرد و گرم ماحول کے باوجود تہذیبی و ثقافتی اور علمی و ادبی میدانوں میں لاثانی ترقیات ہوئیں۔ متعدد علوم کا آغاز ہوا اور متعدد کو عروج حاصل ہوا۔

آپ نے اب تک بلاغت کی جو تاریخ پڑھی ہے، اُس سے آپ کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ علم بلاغت ایک مستقل علم کی شکل میں اب تک سامنے نہیں آیا تھا۔ زبان و بیان اور فصاحت و بلاغت کے اصولوں کو رواج بھی حاصل تھا اور اُن کو اہل علم کے نزدیک پوری اہمیت بھی حاصل تھی۔ لیکن اب تک ایسا موقع نہیں آیا تھا کہ کسی صاحب علم نے اس علم کے متعلق بنیادی معلومات اور اس کے قواعد و ضوابط تحریری شکل میں پیش کیے ہوں۔ زمانۂ جاہلیت ہو یا عہدِ نبوت، خلافت راشدہ ہو یا اموی دورِحکومت، تمام ادوار میں مختلف انداز سے بلاغت کے اصول و ضوابط کی اہمیت سمجھی جاتی رہی اور انھیں موضوعِ گفتگو بنایا جاتا رہا۔ لیکن ان اصول و ضوابط کو تحریری شکل میں پیش کرنے اور اگلی نسلوں تک پہنچانے کا نظم کرنے کی طرف کسی کو توجہ نہیں ہوئی۔ یہ بڑا کام قدرت نے عباسی دورِحکومت کے نصیب میں لکھ رکھا تھا۔ اس سلسلے کی بنیادی معلومات نکات کی شکل میں پیش کی جارہی ہیں۔

(الف) عباسی دور میں علم بلاغت کی تاریخ جاننے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ ابتداء میں بلاغت کو مختلف ناموں سے موسوم کیا گیا تھا۔ جس صاحبِ علم کو بلاغت میں کوئی ایک پہلو ممتاز نظر آیا، اُس نے وہی پہلو اجاگر کرتے ہوئے اس علم کا نام تجویز کر دیا۔ ''علم بلاغت'' کا استعمال بعد میں کیا گیا۔ یہ بات جاننا اس لیے ضروری ہے کہ بہت سے ماہرین بلاغت نے علم بلاغت پر مشتمل اپنی کتابوں کے نام ایسے رکھے ہیں، جن سے قاری تذبذب میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ واقعی یہ بلاغت کی کتاب ہے بھی یا نہیں؟ اس لیے ضروری ہے کہ ہم اُن ناموں سے واقف رہیں تاکہ اس غلط فہمی کا شکار نہ ہوسکیں۔

ابتداء میں علم بلاغت کے لیے یہ نام استعمال کیے گئے:

1- علم البديع
2- علم البيان
3- علم نقد الشعر
4- علم صنعة الشعر
5- علم نقد الكلام

یہ تمام نام علماءِ بلاغت کے اپنے ادبی رجحان کے نتیجے میں وجود میں آئے۔ جس نے اس علم کو جس انداز سے دیکھا اور اس علم کا جو مقصد مراد لیا، اُس نے اُسی سے ملتا جلتا نام تجویز کر دیا۔ کسی نے بلاغت کو محدود معانی میں استعمال کیا اور کسی نے وسیع معانی میں۔ کسی نے اسے صرف شعر یا نثر تک محدود کیا تو کسی نے اس کا دائرہ ہر طرح کے منظوم و منثور کلام تک وسیع کیا۔ غرض یہ کہ سب نے اپنے اپنے نظریے کے مطابق اس علم کا نام اختیار کیا۔

(ب) پہلی مرتبہ بلاغت کے اصول و ضوابط کو کتابی شکل میں پیش کرنے کا سہرا جاحظ (225ھ) کے سر بندھتا ہے۔ جاحظ عباسی دورِحکومت کا ممتاز ترین ادیب اور صاحب قلم تھا۔ متعدد کتابیں تصنیف کیا۔ اُن میں سے ہر کتاب اپنے موضوع پر ممتاز علمی دستاویز سمجھی جاتی ہے۔ ابن خلدون نے ادب کے چار اساطین میں سے ایک جاحظ اور اس کی کتاب ''البیان والتبیین'' کو بھی بتایا ہے۔ یہی وہ کتاب ہے، جس میں جاحظ نے بلاغت کے اصول و

ضوابط بیان کیے ہیں۔لیکن یہ اصول وضوابط مرتب انداز میں نہیں ہیں۔ بلکہ مصنف نے بہت سادہ اور ہلکے پھلکے انداز میں متفرق طور پر بلاغت کے کچھ مسائل پر گفتگو کی ہے۔مثال کے طور پر حروف کے درست مخارج، زبان کی درستی، جملے کی ہیئت، لفظ اور معنی کا ربط اور خطیب کے لازمی اوصاف۔ یہ تمام موضوعات کسی نہ کسی حیثیت سے علم بلاغت کے ذیل میں آتے ہیں، لیکن انھیں ہم بلاغت کے مربوط اصول وضوابط نہیں کہہ سکتے۔

بہ ہر حال جاحظ کو یہ فخر تو حاصل ہو ہی گیا کہ اُس نے ''البیان والتبیین'' کے ذریعے پہلی مرتبہ بلاغت کے کچھ مسائل اور اصول وضوابط کو کتابی شکل میں پیش کیا اور اپنی بحث وتحقیق کا موضوع بنایا۔سب سے پہلے کیا جانے والا کام خواہ کتنا ہی ہلکا اور کم زور کیوں نہ ہو، اس سے اولیت کا شرف کوئی نہیں چھین سکتا۔عربی زبان وادب پر جاحظ کے جہاں دوسرے بہت سے احسانات ہیں، وہاں یہ احسان بھی اُس کی عظمت کے اظہار کے لیے کافی ہے۔ علم بلاغت کی تاریخ پر جب بھی گفتگو ہوگی، اولیت کا تاج جاحظ کے سر پر ہی سجے گا۔

(ج) جاحظ کے بعد دولت عباسیہ کے ایک خلیفہ ابوالعباس عبداللہ بن المعتز باللہ (296ھ) کا نام سب سے ممتاز ہے۔ابن المعتز صرف ایک دن کے لیے عباسی پایۂ تخت پر بیٹھا۔جس دن خلافت سنبھالی، اُسی دن قتل کر دیا گیا۔ وہ ایک بڑا ادیب وشاعر تھا۔طبقات الشعراء، فصول التماثیل اور البدیع اس کی علمی یادگاریں ہیں۔زمانی ترتیب کے لحاظ سے علم بلاغت میں جاحظ کی ''البیان والتبیین'' کے بعد ابن المعتز کی ''البدیع'' کا نام آتا ہے۔ یہ کتاب عبدالمنعم خفاجی کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ابن المعتز علم بلاغت کے قواعد وضوابط کو کتابی شکل میں پیش کرنے والا دوسرا شخص ہے۔اُسے علم بدیع کا بانی بھی کہا جاتا ہے۔ابن المعتز نے ''البدیع'' میں استعارہ، تجنیس، اعجاز، تشبیہ، کنایہ، ہزل، التفات اور اعتراض وغیرہ پر بحث کی ہے۔ شوقی ضیف کے مطابق:

> "وقد ألفه ليبين أن المحدثين لم يخترعوا البديع وايضاً وجد عند العرب منذ القديم فى العصر الجاهلي وفي القرآن الكريم والعصر الإسلامي۔"
>
> (البلاغة۔تطور وتاريخ، شوقى ضيف، ص:67)
>
> اُس نے یہ کتاب اِس لیے ترتیب دی تاکہ یہ ثابت کر سکے کہ علم بدیع کو نئے لوگوں نے ایجاد نہیں کیا ہے، بلکہ یہ علم زمانۂ قدیم سے جاہلی عرب میں بھی موجود تھا اور قرآن کریم اور عصر اسلامی میں بھی موجود رہا۔

ابن المعتز کے بہت سے نظریات سے اختلاف کے باوجود یہ بات تسلیم کرنے میں کسی کو تردد نہیں ہے کہ اُس نے اپنی کتاب ''البدیع'' کے ذریعے علم بلاغت کی علمی اساس مضبوط کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور پہلی مرتبہ بدیع کو موضوع بنا کر علم بلاغت کی ایک ایسی شاخ کے طور پر متعارف کرایا، جو خود بھی ایک مستقل علم بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

(د) ابن المعتز کے بعد علم بلاغت کو تحریری شکل میں آگے بڑھانے کے لیے جو شخص سامنے آیا، اُسے دنیا قدامۃ بن جعفر (337ھ) کے نام سے جانتی ہے۔قدامۃ بن جعفر کا تعلق ایک عیسائی خاندان سے تھا۔وہ سترہویں عباسی خلیفہ مکتفی باللہ کے ہاتھ پر اسلام لایا تھا۔علم وادب کا رسیا تھا۔فلسفہ و کلام پر بھی عبور تھا۔کئی کتابیں تصنیف کیں۔ان میں ''نقد الشعر'' کو ممتاز مقام حاصل ہے۔

''نقد الشعر'' میں قدامۃ بن جعفر نے علم البیان کے اُن مباحث کو مکمل کرنے کی کوشش کی ہے، جو جاحظ کی کتاب ''البیان والتبیین'' میں ناقص رہ گئے تھے۔اس طرح اُس نے جاحظ کے شروع کیے ہوئے کام کو آگے بڑھایا اور اُس کے ذریعے پہل مرتبہ اٹھائے گئے مباحث کو اتمام تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔

اس کتاب میں اُس کی اکثر توجہ شعر کے محاسن پر رہی ہے، کیوں کہ اُس کا ماننا ہے کہ شعر میں مختلف ناحیوں سے وہ تمام موضوعات آجاتے ہیں، جو بلاغت کے ذیل میں آتے ہیں۔اگر کوئی شخص حسنِ شعر کے تمام گوشوں پر عبور حاصل کرے تو اس کا مطلب ہے کہ اُسے علم بلاغت پر عبور حاصل ہو گیا

ہے۔اپنے اس نظریے کے تحت قدامۃ بن جعفر نے مبالغہ، تمثیل، مقابلہ، توشیح، اشارہ، ترصیع، غلو، تتمیم اور تکافوٗ کو خاص طور پر موضوع بنایا ہے۔بعض مباحث میں اپنے پیش رو مصنف ابن المعتز پر اشکال کیے ہیں اور بعض موضوعات کے ذیل میں اُس کا رد بھی کیا ہے۔اس لحاظ سے قدامۃ بن جعفر کی کتاب ''نقد الشعر''، علم بلاغت میں بہت بنیادی حیثیت کی حامل ہے۔

(۵) قدامۃ بن جعفر کے بعد جن لوگوں نے علم بلاغت کی ترویج و اشاعت کا محاز سنبھالا، اُن میں سے اکثر متکلمین تھے۔مختلف کلامی مدارسِ فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ان لوگوں نے قرآن کریم کے اعجازِ بیان کے مختلف ناحیوں پر گفتگو کر کے کے لیے متعدد کتابیں لکھیں۔ان کتابوں کا اصل مقصد ان کے کلامی افکار کی توثیق و تصدیق تھی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ بالواسطہ طور پر علم بلاغت کی بھی عظیم خدمت انجام پائی گئی۔اس لیے علم بلاغت کی تاریخ میں ان متکلم علمائے بلاغت کو فراموش کرنا ممکن نہیں ہے۔

اس ذیل میں سب سے ممتاز اور پہلا نام علی بن عیسیٰ الرمانی (386ھ) کا ہے۔اُس کا تعلق معتزلہ کے کلامی مدرسۂ فکر سے تھا۔رمانی نے اپنی مایہ ناز کتاب "النكت في إعجاز القرآن" میں کلامِ الٰہی کے بلاغی پہلوؤں پر ایسی بے مثال بحثیں کی ہیں کہ شوقی ضیف کو بھی کہنا پڑا:

"أنه أضاف في حديثه عن البلاغة إضافات جديدة إلىٰ من سبقوه۔"

(البلاغة العالية، عبدالمتعال الصعيدى، ص36)

اُس نے بلاغت پر اپنے مباحث کے ذریعے اپنے پیش رو علمائے بلاغت کی تحقیقات پر نئے نئے اضافے کیے ہیں۔

اس ذیل کے علمائے بلاغت میں ایک نہایت ممتاز نام ابوبکر محمد بن الطیب الباقلانی (403ھ) کا بھی ہے۔باقلانی فقہی طور پر مالکی مسلک سے تعلق رکھتے تھے اور فقہ مالکی کے عظیم عالم تھے۔کلامی طور پر اہل سنت کے ایک کلامی مکتبِ فکر ''اشعری'' سے تعلق تھا۔دو درجن سے زائد کتابیں لکھیں، جن میں ''اعجاز القرآن'' کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔یہ کتاب خاص طور پر علم البدیع کے گرد گھومتی ہے۔باقلانی نے قرآن کریم میں علم البدیع کی کارفرمائیوں کو دکھایا ہے اور اعجازِ قرآن کو بلاغی اسلوب میں ثابت کیا ہے۔اس کتاب میں وہ جا بہ جا اپنے پیش رو علمائے بلاغت پر اعتراض اور رد کرتے نظر آتے ہیں۔

ان دونوں کے بعد متکلمین کے ذریعے علم بلاغت پر قلم اٹھانے کا سلسلہ چل پڑا اور وقتاً فوقتاً متکلمین اس میدان میں اپنے جوہر دکھاتے رہے۔

(و) چوتھی صدی ہجری کے ماہرِ بلاغت ابوالحسن محمد بن احمد بن طباطبا علوی اصبہانی (322ھ) کو علم بلاغت کی تاریخ میں اس لیے اہم مقام حاصل ہے کہ انھوں نے ادب و شعر کے متعلق نصف درجن کتابیں تصنیف کیں۔الشعر والشعراء، نقد الشعر، العروض، سنام المعالي، تہذیب الطبع اور عیار الشعر جیسی اہم کتابیں ادب کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہیں۔ان میں سے ''عیار الشعر'' میں بلاغت کے مباحث خصوصیت کے ساتھ زیر بحث آئے ہیں۔اصبہانی نے شعر کے حسن و قبح، اُس کی ساخت اور اس میں بلاغت کی شمولیت کو جانچنے پرکھنے کے مختلف پیمانے مقرر کیے ہیں۔اس لیے یہ کتاب فن بلاغت کی بنیادوں کتابوں میں خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔

(ز) چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں اصبہانی نے علم بلاغت کے ارتقاء میں اہم کردار ادا کیا تو اس صدی کے اواخر میں ابو ہلال حسن بن عبداللہ العسکري (395ھ) نے علم بلاغت کی اہم خدمت انجام دی۔ابو ہلال عسکری نے ''الصناعتین'' تصنیف کی، جس میں نثر اور شعر کو ادب کی دو مرکزی صنعتیں قرار دیتے ہوئے، ان دونوں کے محاسن و معائب کو موضوع بنایا۔عسکری نے اپنے پیش رو علمائے بلاغت میں سے خاص طور پر ابن المعتز، رمانی اور باقلانی سے استفادہ کیا۔ان سے استفادے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس نے مکھی پر مکھی مارنے کی روش اختیار کی، بلکہ ان سب سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی راہ الگ بنائی اور متعدد مباحث کو کامیابی کے ساتھ آگے بڑھایا۔یہی وجہ ہے کہ ''الصناعتین'' کو تاریخِ بلاغت میں نمایاں مقام حاصل ہوا۔

(ح)ابن رشیق القیر وانی (463ھ) کا نام علم بلاغت کی تاریخ میں نہایت ادب واحترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔اس کا پورا نام ابوعلی الحسن بن رشیق تھا۔اپنے زمانے کا بڑا ادیب، شاعر اور ماہرِ بلاغت تھا۔علم بلاغت میں اس کی مشہورِ زمانہ کتاب ''العمدۃ في صناعۃ الشعر ونقدہ'' میل کا پتھر سمجھی جاتی ہے۔اس لیے کہ اس کتاب میں ابن رشیق نے اپنے پیش رو تمام اہم ماہرین بلاغت کے نظریات کا احاطہ کر کے ان پر قیمتی اضافے اور اہم اعتراضات کیے ہیں۔اس طرح اس کی کتاب ''العمدۃ'' صرف مصنف کے خیالات کا مجموعہ نہیں ہے، بلکہ مصنف سے پہلے پیدا ہونے والے تمام اہم علمائے بلاغت کے افکار ونظریات کا مجموعہ ہے۔اس کتاب کو پڑھنے والے کے سامنے بہ یک وقت تیسری صدی ہجری کے اوائل سے لے کر پانچویں صدی ہجری کے نصف اوّل تک کے ممتاز ماہرین بلاغت کے نظریات آ جاتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ آج بھی یہ کتاب دنیا بھر میں پڑھی پڑھائی جاتی ہے اور بلاغت کا ذوق رکھنے والے اس کتاب سے استفادہ کرتے ہیں۔

(ط)ابن رشیق قیروانی کے معاصرین میں ایک اہم نام ابومحمد عبداللہ بن محمد بن سعید بن سنان الخفاجي (466ھ) کا ہے۔ابن سنان نے شام کے بڑے علماء وفضلاء کے علاوہ عظیم فلسفی شاعر ابوالعلاء المعري (449ھ) سے بھی استفادہ کیا ہے۔اس نے اپنی کتاب ''سرّ الفصاحۃ'' میں بلاغت کی مختلف شاخوں کی تقسیم وتحدید کی کوشش کی ہے، فصاحت اور بلاغت کے درمیان فرق واضح کیا ہے اور ان دونوں کے اوصاف پر بحث کی ہے۔

(ی)پانچویں صدی ہجری میں علم بلاغت کی تاریخ میں ایک ایسا نام بھی جڑا، جو آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق ہے۔وہ نام ہے ابوبکر عبدالقاہر بن عبدالرحمٰن بن محمد الجرجانی (471ھ) کا، جسے دنیا علم بلاغت کے موسس اور بانی کی حیثیت سے جانتی ہے۔عبدالقاہر جرجانی کو شعر وادب، نحو اور علوم القرآن میں امامت کا درجہ حاصل ہے۔جرجانی نے علم بلاغت میں دو کتابیں ''دلائل الإعجاز'' اور ''أسرار البلاغۃ'' تصنیف کیں۔حسنِ ترتیب، عمدہ اندازِ تفہیم اور علمی وسعت وگہرائی کی وجہ سے ان دونوں کتابوں کو اتنی پذیرائی اور مقبولیت حاصل ہوئی کہ آج بھی عربی ادبیات سے واقفیت کا دعویٰ کرنے والا کوئی شخص ان کتابوں سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

عبدالقاہر جرجانی نے ان دونوں کتابوں میں اعجاز قرآن، علم البیان، علم البدیع، علم المعانی اور ان سے پھوٹنے والے مباحث پر مفصل بحث کی ہے۔جرجانی کی خاصیت یہ ہے کہ اُن کے ہاں دلائل کے طور پر ضرب الامثال اور محاورات ورائج تعبیرات کی طرف غالب رجحان ملتا ہے۔ساتھ ہی ان کا اسلوب متکلمانہ اور سائنٹفک بھی ہے، جس کے نتیجے میں ہر بحث مرتب انداز میں آگے بڑھتی ہے اور دلائل وشواہد کے ساتھ ایک منطقی انجام تک پہنچتی ہے۔

عبدالقاہر جرجانی سے پہلے بلاغت کے موضوع پر جو کچھ لکھا گیا، وہ متفرق انداز کا تھا۔مختلف علماء نے مختلف مباحث پر گفتگو کی تھی۔جرجانی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انھوں نے بلاغت سے متعلق تمام مباحث کا احاطہ کر کے سب پر سیر حاصل گفتگو کی۔اس طرح وہ پہلے شخص ہیں، جو بلاغت کو ایک مستقل علم کے طور پر متعارف کرانے میں کام یاب ہوئے۔یہی وجہ ہے کہ انھیں علمِ بلاغت کا بانی کہا جاتا ہے۔یعنی جاحظ نے بلاغت کے مسائل کو کتابی شکل میں پیش کرنے کا آغاز کیا اور جرجانی نے بلاغت کے مسائل منضبط کر کے سب کو یک جا کیا اور اسے ایک مستقل علم بنا دیا۔یا یوں کہہ لیں کہ بلاغت کو علم بلاغت بنا دیا۔علامہ رشید رضا مصری اور شیخ یحییٰ بن حمزہ حسینی جیسے معاصر اساطین نے بھی جرجانی کو علم بلاغت کا مؤسس تسلیم کیا ہے۔

(ک)بات ادھوری رہ جائے گی اگر علم بلاغت کی تاریخ میں ابوالقاسم محمود بن عمر الزمخشري (538ھ) کا تذکرہ نہ کیا جائے۔علامہ زمخشری عجیب وغریب ذہن لے کر پیدا ہوئے تھے۔تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، نحو اور جغرافیا جیسے مختلف علوم پر اہم کتاب تصنیف کیں۔علم تفسیر میں ان کی کتاب "الكشاف عن حقائق التنزيل و عيون الأقاويل في وجوه التأويل" شہرہ آفاق ہے اور اپنے موضوع پر اہم مأخذ سمجھی جاتی ہے۔

زمخشری کی تفسیر ''الکشاف'' اگرچہ بنیادی طور پر تفسیر قرآن کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن اس میں علم بلاغت کا بھی عظیم سرمایہ موجود ہے۔زمخشری وہ پہلے ماہرِ بلاغت ہیں، جنھوں نے علم المعانی اور علم البیان کو دو الگ الگ علوم کی حیثیت سے نمایاں کیا ہے اور ان کے اوصاف وخصائص ذکر کیے ہیں۔اگرچہ انھوں نے علم البدیع کو مستقل علم ماننے کے بجائے، معانی اور بیان کا تابع بھی قرار دیا ہے۔

شوقی ضیف نے اپنی کتاب "البلاغة تطور و تاريخ" میں لکھا ہے کہ جرجانی اور زمخشری علم بلاغت کے دورِعروج کے آخری مجتہد عالم ہیں۔ ان دونوں کے بعد علم بلاغت میں جمود کا دور شروع ہوگیا اور نئے مباحث اٹھانے اور نئے اسالیب اختیار کرنے کا دروازہ بند ہوگیا۔

(ل) علمِ بلاغت کے دورِ جمود کے آغاز میں فخرالدین رازی (604ھ) کی کتاب "نهاية الإيجاز في دراية الإعجاز" اور سکا کی (626ھ) کی کتاب "مفتاح العلوم" سامنے آئیں۔ یہ دونوں کتابیں بھی بہت مشہور ہوئیں۔ ان میں سے سکا کی کو بعض لوگوں نے علم بلاغت کا مؤسس قرار دینے کی بھی کوشش کی۔ لیکن اس کا اعتراف سب کو ہے کہ یہ دونوں کتابیں اپنے مصنفوں کی عظمت کے باوجود علم بلاغت میں کوئی نئی راہ پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکی ہیں۔

(م) علمِ بلاغت کے دورِ جمود میں پرانی کتابوں کی تلخیصات، شروحات اور ان کے علمی مواد کو اپنے انداز سے پیش کرنے کا سلسلہ چل پڑا۔ اس ذیل میں ابن الأثیر (630ھ) کی کتاب ''المثل السائر فی أدب الکاتب والشاعر'' خاصی مشہور ہوئی۔ اسی طرح آٹھویں صدی ہجری کے نصف اول میں خطیب قزوینی کی کتاب ''تلخیص المفتاح'' بھی مقبول ہوئی۔ یہ کتاب درحقیقت سکا کی کی ''مفتاح العلوم'' کی تلخیص تھی۔

(ن) تیسری صدی ہجری میں جاحظ سے علمی طور پر بلاغت کا آغاز ہوا۔ یہ سلسلہ ساتویں صدی ہجری تک نہایت کم زور ہوگیا۔ یعنی عباسی دورِحکومت میں ہی علم بلاغت کو کتابی شکل میں پیش کرنے کا آغاز ہوا، اسی دورِحکومت میں یہ علم اپنے عروج کو پہنچا اور اسی دورحکومت میں انحطاط تک پہنچا۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ عباسی دورِحکومت کے کم زور پڑنے کے ساتھ ساتھ یہ علم بھی انحطاط کے قریب پہنچتا گیا۔

2.5 خلاصہ

انسان کے اندر اپنی بات کو مؤثر انداز سے دوسروں تک پہنچانے کا جذبہ ہمیشہ کارفرما رہا ہے۔ خاص طور پر عرب میں زمانۂ جاہلیت میں بلاغت کے اصول وضوابط پر بہت زیادہ توجہ دی جاتی رہی۔ چھٹی صدی عیسوی میں اسلام آنے کے بعد پیغمبرِ اسلام ﷺ نے بھی زبان وبیان کے حسن پر پوری توجہ دی اور اسے اہم انسانی ضرورت قرار دیا۔ یہی رویہ خلفائے راشدین اور ان کے بعد اموی دورِحکومت میں بھی پایا گیا۔ لیکن اموی دورحکومت تک بلاغت کے اصول وضوابط کو تحریر کرنے کا رواج نہیں ہوا تھا۔ عباسی دورِحکومت میں پہلی مرتبہ تیسری صدی ہجری میں جاحظ نے یہ سلسلہ شروع کیا۔ آگے چل کر پانچویں صدی ہجری میں عبدالقاہر جرجانی نے بلاغت کو ایک مستقل علم کی شکل دی۔ پھر یہ علم جمود کا شکار ہوگیا اور نئے مباحث کو نئے انداز سے اٹھانے کا سلسلہ بند ہوگیا۔ عہدِ جمود کے بعد عباسی دورحکومت کے اختتام تک عہد انحطاط بھی آ گیا۔ البتہ اس علم میں کتابیں ہمیشہ تصنیف کی جاتی رہیں۔ اس چارٹ سے آپ بہ آسانی علم بلاغت کے ارتقاء وانحطاط اور ہر دور کے بڑے علمائے بلاغت کے نام ذہن نشین کرسکیں گے:

علم بلاغت کے ارتقاء اور انحطاط کو ظاہر کرنے والا چارٹ

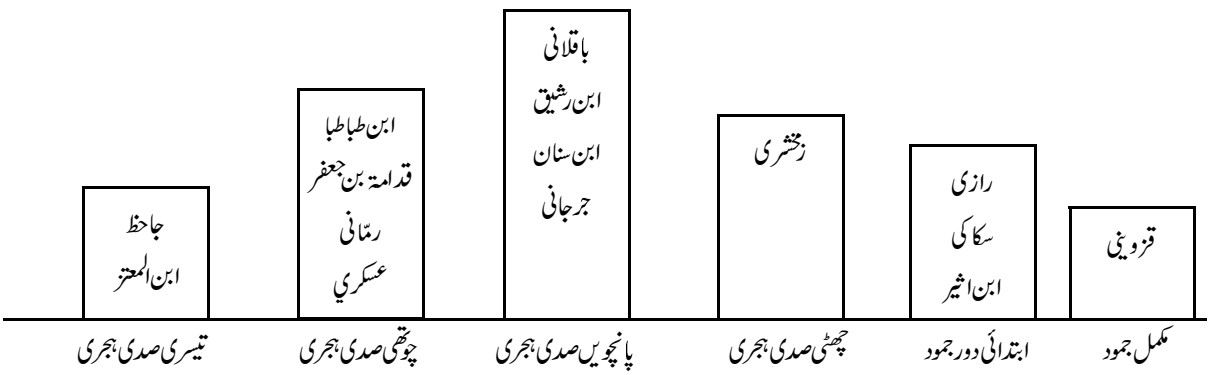

2.6 نمونے کے امتحانی سوالات

تین سطروں میں جواب لکھیے:

1- سوقِ عکاظ بلاغت کے لیے کس طرح مفید تھا؟

2- عہدِ نبوت میں بلاغت کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا گیا؟

3- بلاغت کے موضوع پر جاحظ، ابن رشیق اور زمخشری کی کتابوں کے نام لکھیے۔

پندرہ سطروں میں جواب لکھیے:

1- علم بلاغت کے آغاز پر ایک جامع نوٹ لکھیے۔

2- علم بلاغت کا مؤسس کون تھا؟ اس کی کتاب کا تعارف کرائیے۔

3- علم بلاغت کے دورِ جمود اور اس کے بعد کے کچھ علمائے بلاغت اور ان کی کتابوں کے بارے میں اپنی معلومات قلم بند کیجیے۔

2.7 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

1- أسرار البلاغة، عبدالقاهر الجرجانی

2- البلاغة العالية، عبدالمتعال الصعيدي

3- البلاغة و تطور التاريخ، شوقی ضيف

4- مصادر الأدب العربی، محمد واضح رشيد الحسنی الندوي

2.8 مشکل الفاظ کی فرہنگ

بنیادگزار	بنیاد رکھنے والا
فلاسفہ	فلسفی کی جمع
دادِشجاعت دینا	بہادری کا مظاہرہ کرنا
غم واندوہ	رنج والم
پُرسہ	تعزیت، ماتم پرسی
زراعت	کھیتی باڑی
حرب	جنگ
منضبط	منظّم، مرتب

گفت وشنید	کہنا سننا
تنقید وتنقیح	چھان پھٹک
طرح ڈالنا	بنیاد رکھنا
آویزاں کرنا	لٹکانا
جوامع الکلم	بہت مختصر لیکن انتہائی معنی خیز جملے
پیش رو	آگے چلنے والے
ثمر آور	پھل دار
متکلمین	علم کلام کے ماہرین، وہ لوگ جو اسلامی عقائد کو عقلی دلائل سے ثابت کرتے ہیں